© rasailojaraid.com

امام ابوحنیفہؒ کا سیاسی کردار و خدمات

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر *

الحمد للّٰہ رب العلمین. والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم.

اما بعد. اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا۔

تاریخ اسلام میں جن شخصیات نے اپنے علم و فضل کے گہرے اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں ایک شخصیت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سال پیدائش کے بارے میں کچھ اور آراء بھی ہیں تاہم علامہ عبدالقادر قرشی م ۷۷۵ھ صاحب الجواہر المضیہ اور علامہ علی القاری نے آپ کی پیدائش کا سال ۸۰ھ ہی درست قرار دیا ہے۔ آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت اور کنیت ابوحنیفہ تھی۔ آپ کے دادا محترم کابل سے آئے تھے۔ والد محترم کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت ہے اور انہوں نے ثابت اور ان کی اولاد کے لئے دعائے خیر فرمائی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ عربی النسل ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ فارسی النسل تھے۔ (۲)

آپ نے کوفہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کی تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی اور تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا۔ وسیع کاروبار کے باوجود آپ نے اپنا انداز زندگی بالکل سادہ رکھا۔ فیاضی و سخاوت میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔

---

* پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے دور کا مخصوص دینی، سیاسی پس منظر

۱۔ مسلمانوں میں فرقوں کا ظہور، خوارج، معتزلہ، شیعہ پیدا ہو چکے تھے۔ یہ فرقے اپنے اپنے مسلک کی حمایت اور مخالفین کی مذمت میں قرآن و حدیث کو بھی استعمال کرتے۔ اس طرح علم الکلام عروج تک پہنچ گیا تھا۔

۲۔ خلافت راشدہ والے معاشرتی، دینی اور سیاسی رجحانات اب دنیاداری کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اموی اور عباسی حکمرانوں کی دینی سیاسی اور معاشی پالیسیاں اسلام گریزی کی طرف مائل تھیں۔

۳۔ عوام کے حقوق کی ادائیگی بجائے اب ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا۔

اس ماحول میں آپ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف فرقوں کے جنگ و جدل میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ امام خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے تمام اوقات مناظروں اور مجادلوں میں ہی گزارا کرتا تھا۔ فرماتے ہیں ابتداء میں میرا حال یہ تھا کہ میں علم الکلام کو تمام علوم میں سب سے بہتر علم خیال کرتا تھا کہ اس میں دین کی بنیاد سے گفتگو کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں مجھے علم کلام میں مجادلہ و مقابلہ کا بڑا شوق و ذوق تھا۔ اس فن میں لوگوں کو چیلنج دے کر مقابلہ کیا کرتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ بصرہ میں ہوتا تھا۔ میں تقریباً بیس مرتبہ اس غرض سے بصرہ گیا۔ جن فرقوں سے آپ کے مناظرے ہوتے ان میں اباضیہ صفریہ شامل ہوتے۔ (۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات نے امام صاحبؒ کی زندگی کا رخ بدلنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد تک لوگوں کا طرز زندگی اسلام سے ہٹنا شروع ہو گیا تھا۔ علمی اعتبار سے بھی وہ جذبہ کم ہو رہا تھا جو اس سے قبل موجود تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات نے بڑی مثبت تبدیلی پیدا کر دی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک علم الکلام کی بحثوں میں پڑا رہتا تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ صحابہ کرامؓ تو اس طرح کی بحثوں میں نہیں الجھا کرتے تھے۔ وہ تو شریعت کے احکام و قوانین میں غور و فکر کیا کرتے تھے۔ آپس میں بیٹھ کر علمی مذاکرے کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو زندگی گزارنے سے متعلق مسائل بتلاتے، انہیں ان پر عمل کے لئے ابھارتے اور ترغیب دیتے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اب میں نے دین کے احکام و مسائل میں غور کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحی تحریک کے نتیجے میں آپ ایک تو شرعی علوم کی طرف متوجہ ہوئے دوسرے اسلامی نظام خلافت میں جو رخنے پڑ گئے تھے انہیں دور کرنے اور نظامِ سیاست کو نئے سرے سے اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تحریک پیدا ہوئی۔(۴)

امام ابوحنیفہ کی سیاسی حکمت عملی حقیقی معنوں میں بڑی مؤثر اور حقیقت پسندی پر مبنی تھی۔ اس پر آشوب دور میں آپ نے ایسی حکمت عملی اختیار فرمائی کہ ظلم و استبداد کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا اخلاقی و مالی اعتبار سے بھی ساتھ دیا اور تعبیر و تشریح دین کے جس کام میں آپ مصروف تھے اسے بھی جاری رکھا۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کی ذہانت اور معاملہ فہمی کی قوت عطا فرمائی تھی۔ علم، ذہانت اور معاملہ فہمی کے امتزاج سے آپ کی ذات میں ایسی امتیازی شان پیدا ہوگئی تھی کہ بہت کم کسی اور کو نصیب ہوئی ہو۔ آپ کی ذہانت اور معاملہ فہمی کے بیسیوں واقعات کتب میں درج ہیں۔ علامہ ذہبی نے آپ کے لئے کان من اذ کیاء بنی ادم کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔(۵)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں جب ہمارا آپس میں کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو ہم یہ مسئلہ امام صاحب کے سامنے پیش کرتے۔ آپ اس کا جواب اس قدر جلدی دیتے کہ ہم سمجھتے شاید آپ نے یہ جواب اپنی آستین میں سے نکال کر دیا ہو۔(۶)

قانون کے شعبے میں امام ابوحنیفہؒ نے جو مقام حاصل کیا اس میں ان کے علم و ذہانت کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے جید ترین علماء کی مستقل طور پر مجلسوں میں بیٹھنے کو بھی دخل حاصل ہے۔ آپ اٹھارہ برس تک اپنے استاد حماد بن ابی سلیمانؒ کے پاس بیٹھے۔ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام صاحب خود فرماتے ہیں ''پس میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ اپنے استاد حماد سے زندگی بھر الگ نہ ہوں گا چنانچہ پورے اٹھارہ برس ان کی مجلس میں رہا۔''(۷)

یہ بات بھی مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار اساتذہ سے استفادہ کیا۔ جن میں تابعین کے بڑے بڑے آئمہ و شیوخ شامل ہیں۔ امام صاحب نے جن لوگوں سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ان کی تعداد چار ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اگر ان میں مبالغہ بھی ہو تب بھی ان حضرات کی تعداد ۳۰۷ ہے۔ یہ سب لوگ مختلف شہروں کے اکابر علماء تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان حضرات کی تعداد ۸۸۰ ہے۔(۸)

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہ پندرہ برس کی عمر کے بعد آپ نے بلاناغہ حج ادا فرمائے۔(۹)

آپ کے سیاسی کردار کو ہم مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱۔ اموی اور عباسی حکمرانوں کی طرف سے آپ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوششوں کی مزاحمت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ اموی دور میں ظلم کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی مؤثر اور خفیہ حوصلہ افزائی۔

۳۔ اس دور کے سیاسی دینی وتمدنی حالات کے حوالے سے اجتہاد۔

۴۔ عدلیہ کی خودمختاری وآزادی کے لئے جدوجہد۔

اموی حکمرانوں نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لئے امام صاحب کو پیش کش کی کہ وہ کوئی سرکاری عہدہ قبول کریں۔ امویوں کی غیر اسلامی حرکتوں کی وجہ سے لوگ ان سے متنفر ہو چکے تھے۔ ادھر امام صاحب کے ساتھ لوگوں کو دلی لگاؤ تھا۔ اموی یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ امام صاحب سرکاری عہدہ قبول کر لیں تو آپ کے تمام متعلقین حکومت کے ہمنوا بن جائیں گے یا مخالفت میں کمی آ جائے گی۔ حکمرانوں کی اس شاطرانہ چال کی تہہ تک امام صاحب پہنچ چکے تھے۔ آپ نے اس کی عملی شکل پیش کر دی کہ ''مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کی عطا کی ہوئی روشنی سے دیکھتا ہے۔''

آپ نے حکمرانوں کی اس طرح کی پیش کش کے مقاصد کو بھانپ لیا تھا۔ آپ کو بدلتے ہوئے حالات اور عباسیوں کی تحریک کی کامیابی کے امکانات نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان حالات میں پورے عزم واستقلال سے یہ پالیسی اپنائی کہ حکومت کی جانب سے کوئی عہدہ قبول نہ کیا جائے۔ ایک تو اس لئے کہ کوئی حکومتی عہدہ قبول کرنے کا معنی یہی ہوتا کہ امام صاحب بھی امویوں کی ان حرکتوں میں ان کے مددگار و ہمنوا ہیں۔ دوسری طرف عوام کے دلوں میں امام صاحب کے لئے جو احترام و مرتبہ تھا اور جسے حکمران بری طرح محسوس کر رہے تھے اور حسد کی آگ میں جل رہے تھے، سرکاری عہدہ قبول کر لینے سے وہ بری طرح متاثر ہوتا اور یہی اموی چاہتے بھی تھے کہ امام صاحب کی پوزیشن خراب کی جائے۔ تیسری طرف امام ابوحنیفہؒ کا سرکاری عہدہ قبول کر لینا امویوں کی ختم ہوتی ہوئی حکومت کو سنبھالا دینے کا باعث بن جاتا۔ جبکہ اموی حکومت کا برقرار رہنا اسلام کے لئے نقصان دہ تھا۔

چنانچہ امام صاحب نے کسی بھی طرح کا عہدہ قبول کرنے سے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ انکار کر دیا۔

آپ کا بیان ہے ''یہ ملازمت تو بڑی بات ہے۔ اگر یہ شخص (ابن ہبیرہ) مجھ سے یہ چاہے کہ واسط شہر کی مسجد کے صرف دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا''۔ آپ کے اس رویے سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے آپ خواہ مخواہ ضد پر اڑ گئے تھے لیکن معاملہ کسی طرح کی ضد کا نہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب نے کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنے سے انکار کے سبب کے بارے میں فرمایا ''میں اس کی اس پیش کش کو کس طرح قبول کر سکتا ہوں کہ وہ مجھے کسی کی گردن مارنے کا حکم دے اور میں اس کے حکم پر مہر لگاؤں گا''۔ آپ اپنا یہ فقرہ بار بار دہراتے تھے کہ خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی اس میں شریک نہیں کر سکتا''۔

آپ کو حکومت میں شمولیت کے لئے قائل کرنے کے لئے اس وقت کے محدثین نے بھی کوششیں کیں لیکن آپ کو اپنے موقف کے درست ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ آپ اس پر ڈٹے رہے۔ ابنِ ابی لیلیٰ بھی انہی سمجھانے والے لوگوں میں سے ہیں۔ آپ کے استقلال کو دیکھ کر آپ فرمانے لگے'' اپنے ساتھی کو چھوڑ دو۔ وہی حق پر ہے، ان کے سوا دوسرے غلط راہ پر ہیں'' (۱۰)

اموی حکمرانوں کو اس بات سے سروکار نہ تھا کہ وہ امام صاحب کی خدمات، ملک و قوم کے لئے مفید سمجھتے تھے اور اسی قومی جذبے کے تحت چاہتے تھے کہ امام صاحب ملک کی خدمت کریں بلکہ وہ تو آپ کو اپنے ساتھ ملا کر عوام کی مخالفت کم کرنے کی کوشش میں تھے۔ ابنِ ہبیرہ نے آپ کو مختلف قسم کے عہدے پیش کئے۔

ایک پیش کش یہ تھی کہ الطراز کی نگرانی قبول فرمائیں۔ اگرچہ بعض لوگوں نے الطراز سے مراد بیت المال کی نگرانی لیا ہے لیکن مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کارخانہ ہے جس میں شاہی حکام و ولاۃ کے لباس اور خیمے وغیرہ بنتے تھے۔ کیونکہ امام صاحب بھی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اسی مناسبت سے آپ کو یہ پیش کش کی گئی۔ ایک پیش کش قاضی کے عہدہ کے لئے تھی۔

جب آپ نے قاضی کے عہدہ کی پیش کش بھی ٹھکرا دی تو ابنِ ہبیرہ طیش میں آ گیا۔ ادھر ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ وہ آپ کو عہدہ لینے پر مجبور کر کے چھوڑے گا اور دوسری جانب امام صاحب نے بھی قسم کھائی۔ وہ غصے سے جلا جاتا تھا۔ اس کے بعد ابنِ ہبیرہ نے امام کے سر پر بیس کوڑے مسلسل لگانے کا حکم دیا۔ آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ صرف اس قدر فرمایا ''اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا اور آج تیرے سامنے میں جس قدر ذلیل کیا جا رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ خدا کے دربار میں تجھے پیش کیا جائے گا۔ (۱۱)

اس سے قبل پندرہ روز تک آپ کو جیل میں رکھ کر سوچنے کا موقع دیا گیا۔ تشدد کے باوجود جب آپ قائل نہ ہوئے تو ابن ہبیرہ نے کوششیں شروع کر دیں کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو اس قیدی کو سمجھائے کہ مجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ مہلت چاہے تا کہ میں اسے اپنے معاملے میں غور کرنے کا موقع دوں۔(۱۲)

آپ کے اس طرزِ عمل میں سیاسی زندگی کے دائمی اور آفاقی حقائق کا سبق موجود ہے کہ ایک سیاسی راہنما کا موقف نیک نیتی پر مبنی ہو تو اسے سودے بازی اور مصلحت آمیزی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایک شخص اپنے درست موقف پر ڈٹ جائے تو ظالم حکمران خود ہل جاتے ہیں وہ پہلے دھونس اور پھر سودے بازی اور لالچ سے کام لیتے ہیں۔ مطلق العنانیت کی طرف مائل حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کی سکت اپنے اندر پیدا کرنا اور عملی طور پر اس طرح کے حکمرانوں کے سامنے جب بھی موقع ملے حق گوئی کا مظاہرہ کرنا ان کی پالیسیوں پر تنقید کرنا ان کی کسی ہوائے نفس کے علی الرغم انہیں عوام کے حقوق پر ہاتھ صاف کرنے سے روکنا، نبی کریم ﷺ کے فرمان کی رو سے جہاد اعظم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اعظم الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر (۱۳)۔ اعلیٰ درجے کا جہاد جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

امام اعظمؒ کی زندگی اس بات سے عبارت ہے کہ جب کبھی کسی حکمران نے اس طرح کا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے امام صاحب سے ملاقات کی تو آپ نے ہمیشہ **لا يخافون لومة لائم** کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکمران کو دوٹوک الفاظ میں عوام کے حقوق پر دست درازی سے روکا۔ یہ بات عوام کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں آپ کی بہت بڑی خدمت بھی ہے اور آئندہ آنے والے لوگوں اور خصوصاً ایسے علماء جن سے حکمران ہر دور میں اپنی من مانی کاروائیوں کے لئے سند حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، کے لئے ایک سنہری مثال بھی ہے۔ ابنِ اثیر اپنی کتاب التاریخ الکامل میں لکھتے ہیں کہ منصور نے امام صاحب، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کو بلایا اور کہا کہ اہلِ موصل نے میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ وہ میرے خلاف بغاوت نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کا مال و جان اس کے لئے مباح ہو جائے گا۔ لیکن اب وہ بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیا اب ان کا خون میرے لئے مباح ہو چکا ہے یا نہیں؟ باقی دو حضرات نے فتویٰ دے دیا کہ اہلِ موصل آپ کی رعایا ہیں اگر آپ انہیں سزا دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور اگر انہیں معاف کر دیں تو بھی اس کا اختیار آپ کو حاصل ہے۔ لیکن امام صاحب نے منصور کو ایسی مسکت دلیل پیش کی کہ منصور ان پر دست درازی سے باز آ گیا۔(۱۴)

امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد ان کی نمازِ جنازہ میں خلیفہ منصور بھی آیا۔ آپ کی قبر اس عام جگہ پر نہ بنائی گئی جہاں دیگر لوگ دفن ہوتے تھے۔ منصور نے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہیں بتلایا گیا کہ امام کی یہی وصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔لوگوں نے بیان کیا کہ اس خطہ اراضی کو جس پر بغداد آباد کیا گیا تھا۔امام صاحب اسے ارض معضوبہ قرار دیتے تھے یعنی یہ زمینیں ان کے مالکوں سے زبردستی چھینی گئی تھیں۔اس لئے انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے ناجائز چھینی ہوئی زمین میں دفن نہ کرنا۔یہ بات سنتے ہی منصور نے کہا:

''زندگی اور زندگی کے بعد بھی اس شخص کے حملوں سے مجھے کون بچا سکتا ہے۔''(۱۵)

اس ایک فقرے میں امام صاحب کے سیاسی موقف کا پتہ چل جاتا ہے کہ حکمرانوں کو راہِ راست پر رکھنے کے لئے وہ کس قدر بے نیام تلوار تھے اور حکمرانوں پر ان کی کس قدر دہشت طاری رہتی تھی۔

دوسری طرف منصور نے آپ کو ایک موقع پر کچھ رقم دینا چاہی۔آپ نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے منصور کو بڑی دانائی سے جواب دیا اور اسے کسی اشتعال میں مبتلا کئے بغیر فرمایا کہ ''امیر المومنین نے اپنے ذاتی مال میں سے کبھی کوئی چیز مجھے عطا نہیں کی کہ جسے میں نے واپس کیا ہو۔آپ مجھے مسلمانوں کے بیت المال میں سے ہی دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بیت المال میں سے مجھے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔اگر جہاد میں حصہ لیتا تو میں سمجھتا کہ مجاہدین کا بیت المال پر حق ہوتا ہے اور مجھے میرا حق ملا ہے۔نہ میرا شمار مسلمانوں میں سے مفلسوں اور ناداروں میں ہوتا ہے کہ فقراء کی مد میں سے کچھ لینے کا حق دار ہوتا''۔(۱۶)

اس بیان میں آپ نے درحقیقت منصور کو سمجھا دیا کہ آپ مال تقسیم کرتے ہوئے حقدار اور غیر حق دار کا لحاظ نہیں رکھتے جبکہ اس میں آپ کی ذاتی پسند و ناپسند کو دخل نہیں ہونا چاہئے۔امام صاحب کے بارے میں مناقب میں ہے۔

كان ابو حنيفه از هد الناس فى درهم يا خذه من السلطان. (۱۷)

ابو حنیفہؒ حکومت سے ایک ایک درھم تک کے لینے میں سب سے زیادہ محتاط تھے۔وہ لکھتے ہیں **لم يا خذ ابو حنيفه من سلطان قط درهما و لا دينارا**۔امام ابوحنیفہؒ نے حکومت والوں سے نہ کبھی ایک درھم ہی لیا اور نہ اشرفی۔(۱۸)

آپ کے افکار سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آپ اس بارے میں بھی بڑے حساس تھے کہ علماء حکومت سے عطیات وعنایات سے دور رہیں۔کیونکہ اس سے ان کے اندر حق گوئی اور حکومتی فیصلوں پر تنقید کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔آپ ان علماء پر تنقید کرتے ہیں جو اس روش کو اختیار کرتے ہیں۔ابراہیم الصائغ جو امویوں کے خلاف ایک فعال پرجوش اور ظلم کی سیاست کے خلاف بے چین تھے۔اپنی جہادی سرگرمیوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں امام ابوحنیفہؒ ہی کو منتخب کرتے ہیں۔ حالانکہ ابراہیم الصائغ مرو کے رہنے والے تھے جو کوفہ، جہاں ابوحنیفہؒ قیام پزیر تھے، سینکڑوں میل دور تھا۔ مرو اور کوفہ کے درمیانی علاقے میں سینکڑوں اہل علم و اہل عقل موجود تھے لیکن اس طویل علاقے میں آپ ہی کی شخصیت نظر آئی، وہ یقیناً ظلم کے خلاف متحرک خیالات کے حوالے سے امام صاحب کے بارے میں جانتے ہوں گے، (اس وقت عام لوگ مصلحت پسندی کا شکار ہوکر موروثی حکومت کے حمایتی ہوتے جارہے تھے، امام ابوحنیفہؒ اسلامی نظام سیاست کی حقیقی روح یعنی شوریٰ کی بنیاد پر حکومت چلانے کے حامی تھے) ابومسلم خراسانی جس نے امویوں کا تختہ الٹنے اور عباسی حکومت کی قیام میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، ابراہیم الصائغ کے اختلافات ہوگئے تو تب بھی وہ مشورے کے لئے امام صاحب کے پاس آئے۔

ابراہیم الصائغ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں عباسی حکومت کے آغاز ہی میں ان سے بھی بدظن ہو گئے، ابراہیم امام اعظم کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا اس کے خلاف آواز اٹھانا، ان پر فرض ہو چکا ہے، امام صاحب کے اپنے الفاظ ہیں کہ ہم دونوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہونا اللہ کی طرف سے فرض ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سننے کے بعد ابراہیم نے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے آگے بڑھایا۔ لیکن امام صاحب نے بیعت نہیں لی کہ ظلم کے خلاف مسلح جدوجہد مشترکہ طور پر کی جائے۔ یہاں پر مولانا مناظر احسن گیلانی کا نقطہء نگاہ یہ ہے کہ امام چاہتے تھے کہ انہوں نے قانون سازی کا جو کام شروع کر رکھا تھا اسے جاری رکھا جائے۔ (۱۹) ابراہیم الصائغ کے اصرار پر امام صاحب نے وضاحت فرمائی:

میں نے بیعت لینے سے انکار کیا اور کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لیے ایک دو آدمی اگر کھڑے ہونگے تو قتل کر دیئے جائیں گے اور مخلوق خدا کے لیے کام کی کوئی بات انجام نہ دے سکیں گے۔ ۲۰ اس کے بعد اس قسم کی مہم کیلیئے جس تنظیمی و اجتماعی قوت کی قدرتی ضرورت ہے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

البتہ اگر اس کام کی انجام دہی میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا سربراہ کوئی ایسا آدمی ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو تو پھر باقاعدہ تحریک چلائی جاسکتی ہے۔ اس بیان سے امام صاحب کی سیاسی و انتظامی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے اس بیان میں فرمایا کہ چند افراد اتنی بڑی مسلح تبدیلی لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تحریک اسی وقت کامیاب ہوتی ہے جب اس میں صالح افراد بھی موجود ہوں ورنہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے منفی کردار سے جدوجہد بھی بدنام ہو جاتی ہے۔(۲۱)

امام صاحب کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ جب جان دینی ہی پڑنی ہے تو اس کے معاوضے میں بڑی سے بڑی قیمت جس کا حصول ممکن ہو سکے، حاصل کرنی چاہئے۔ جس قدر فائدہ مسلمانوں کو ہو سکتا ہے پہنچانا چاہئے اپنے آپ کو قتل ہونے سے بچانا چاہئے۔

ابو بکر جصاص نے امام صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: اپنے آپ کو جابر حکمرانوں سے ٹکرا کر قتل کرا دینے میں ایک اور مصلحت بھی مانع ہے وہ یہ کہ اس قتل کے بعد اندیشہ ہے کہ دوسروں کے حوصلے بھی باطل کے مقابلے میں پست ہو جائیں گے۔(۲۲)

ابراہیم الصائغ اور امام صاحب باطل کے خلاف جدوجہد کرنے کے مسئلے پر تو متفق تھے لیکن طریقہ کار میں اختلاف تھا۔ جدوجہد کرنے اور مقصد میں مطابقت کی وجہ سے ہی الصائغ بار بار امام کے پاس آتے تھے۔(۲۳)

مسلح مزاحمت میں ابراہیم الصائغ کے ساتھ شامل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی اور اس کا اظہار خود امام صاحب نے فرمایا کہ "چاہئے کہ انتظار کیا جائے" یعنی مسلمانوں کی کسی مؤثر تنظیم کے ساتھ مل کر اگر جدوجہد کا موقع مل جائے تو اسے حاصل کرلوں گا اس انتظار میں آپ جس کام میں مصروف تھے وہ تو دین کی ایک اہم خدمت تھی۔(۲۴)

آپ اس انتظار میں تھے کہ ظالم حکمرانوں کی حکومت ختم ہو اور ہمارے پاس ایک ایسی منظم، متقی، عالم و فاضل اور با قاعدہ قانون سازی میں مہارت رکھنے والی کھیپ موجود ہو (دوسرے لفظوں میں آپ HOMEWORK کرر ہے تھے) جو فوری طور پر اسلامی نصوص کی روشنی میں قانون سازی کر سکے۔

یہ بات آپ کی سیاسی بصیرت کی دلیل ہے کہ آپ سمجھتے تھے کہ جس ملک کی عدلیہ غیر جانبدار اور دیانتدار ہو، اس کے حکمران اگر کسی حد تک حقوق کی ادائیگی کی راہ سے ہٹ بھی جائیں تب بھی ملک کے عوام کو انصاف ملنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

امویوں کے ظلم و استبداد کے ردعمل کے طور پر اس وقت کے علماء کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس نے قرآن مجید کی آیت کریمہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ. (۲۵) (اے مومنو اپنے آپ کو سنبھالو اگر تم راہ راست پر رہو تو کسی کی گمراہی سے تمہارا نقصان نہ ہوگا) کی روشنی میں یہ نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ظلم واستبداد کے دور دورہ میں ہمیں صرف اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ اس نقطہ نگاہ کے حامیوں کا اس وقت کے حالات میں خیال یہ تھا کہ کسی مزاحمت اور حکومت مخالفت جدوجہد میں حصہ نہیں لینا چاہئے گوشہ نشینی اور سکوت اختیار کر لینا چاہئے۔

دوسرا نقطہ یہ تھا کہ ظلم کے خلاف زبان وعمل اور باقاعدہ مسلح جدجہد کر کے ظلم کا استیصال کر دینا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ کا موقف ان دونوں کے درمیان ایک متوازن نقطہ نگاہ ہے۔

آپ نے امویوں اور پھر عباسی خلفاء کی پالیسیوں پر بڑی پُر حکمت اور مؤثر انداز سے تنقید فرمائی۔ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ خدمت دین کا کام وہ بڑے مؤثر انداز سے سرانجام دے رہے ہیں اور آئندہ آنے والی کئی صدیوں میں پیدا ہونے والے سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کے لئے آپ قانون سازی کا کام کر رہے ہیں۔ یہ کام کچھ کم اہم نہ تھا۔

چنانچہ اس کام کی تکمیل کی خاطر آپ نے اس وقت کی استبدادی قوتوں کے خلاف اپنی پالیسی بڑی سوچ بچار اور احتیاط کے ساتھ مرتب کی۔ ایک فہیم وفطین مبصر آپ کی اختیار کردہ حکمت عملی کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس پالیسی کا لب لباب یہ ہے کہ آپ نے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر وہ علی الاعلان استبدادی حکومتوں کے خلاف مسلح طور پر صف آراء ہوئے تو بہت سے عوامل اور وجوہ کی بنا پر ان کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے اور دوسری جانب تعبیر وتشریحِ دین کا جو عظیم کام کر رہے ہیں وہ بھی منفی طور پر متاثر ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان اصلاحی تحریکوں سے بے تعلق رہتے تھے۔(۲۶)

امویوں اور پھر عباسیوں کی غیر اسلامی حرکتوں کے ردعمل کے طور پر اور اصلاح کے لئے براہ راست بر سر پیکار لوگوں کے ساتھ آپ کا رابطہ رہتا۔ آپ ان کی مالی اخلاقی اور افرادی مدد بھی فرماتے۔ ۲۷ لیکن خود کو اس مسلح تصادم میں ملوث نہیں کیا۔ کیونکہ اس صورت میں تشریحِ دین کا کام ٹھپ ہو جاتا۔

حکومتوں کے غیر اسلامی رجحانات کے خلاف ان سے تصادم کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے امام صاحب کی پالیسی کی وضاحت یوں کی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی یعنی حکومت کو نیکی کی تلقین اور برائی سے باز رہنے پر مجبور کرنے کا حکم محض اس لئے نہیں دیا گیا کہ حالات کی نزاکت کا اندازہ کئے بغیر ہم حکومت کی اصلاح طاقت کے بل بوتے پر کرنے لگ جائیں بلکہ ہمارے، پاس اس قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گنجائش موجود ہے کہ ہم تصادم یا عدم تصادم دونوں میں سے کوئی ایک راہ اختیار کر لیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمارے پاس عدم تصادم کی پالیسی کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی سورۃ الغاشیہ کی آیت نمبر ۲۱،۲۲ میں فرمایا گیا:

فذکر انما انت مذکر ○ لست علیھم بمصیطر ○

(آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے۔ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں)

اسی طرح سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر ۹ میں فرمایا

فذکر ان نفعت الذکری

(اگر لوگوں کو آپ کی نصیحت فائدہ پہنچا رہی ہو تو انہیں نصیحت کیجئے)

مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ سے آیت یا یھا الذین امنو علیکم انفسکم یعنی اے ایمان والو تمہارے اوپر اپنی ذات کی نگرانی واجب ہے کی تشریح پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا معروف یعنی اچھی بات کرتے رہنا اور بری باتوں سے بچتے رہنا۔ پھر جب دیکھو کہ لوگ اپنی حرص و ہوا کے بندے بن گئے ہیں اور اپنی خواہشات کی پیروی میں انہوں نے دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر ناز کرنے لگ گیا ہے تو یہی وہ وقت ہے جب تمہیں صرف اپنی ذات کی خبر لینی چاہئے۔ (مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس موضوع کی مزید احادیث اپنی کتاب حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی میں پیش کی ہیں)۔ (۲۸)

دور بنو امیہ میں ظلم کے خلاف جن لوگوں نے مسلح ہو کر آواز اٹھائی ان میں امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید بھی تھے۔ امام صاحب نے ان کی تحریک کا در پردہ ساتھ دیا۔ ان کی اخلاقی اور مالی مدد فرمائی۔ لیکن کھل کر ان کے شانہ بشانہ میدان میں نہ نکلنے کے کچھ اسباب تھے جو امام صاحب کی دوررس نگاہ میں تھے۔ لیکن امام صاحب نے حضرت زید کی اخلاقی اور مالی معاونت فرمائی۔ حضرت زید کے صاحبزادے محمد بن زید بن علی سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت زید (امام زین العابدین کے بیٹے) کی مالی مدد کرتے ہوئے فرمایا:

''اپنے گھر کے لوگوں کی خبر گیری میں اس سے کام لیجئے اور آپ کے رفقاء میں جو ضعیف لوگ ہیں ان کی اس سے امداد فرمائیں''۔ (۲۹)

اس طرح گویا امام صاحب نے ظلم کے خلاف جہادی تحریک میں بالواسطہ حصہ لیا اور جہاد میں امیر جہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے غداری کے خدشے اور تحریک کی کامیابی میں متردد ہونے اور جس دینی خدمت پر آپ مصروف تھے اس کے تعطل کا شکار ہو جانے کے خدشے سے آپ عملاً جہادی تحریک میں شریک نہ ہوئے لیکن اخلاقی اور مالی امداد و معاونت میں پیچھے نہیں رہے۔ اس سب کے باوجود آپ فرمایا کرتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں اپنی کوتاہیوں پر میں حق تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ (۳۰)

امام صاحب نے در پردہ بنوامیہ کے ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے رکھا تھا۔ چنانچہ جصاص نے امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے ''ہم ابوحنیفہ کی ساری باتیں برداشت کرتے رہے تا ایں کہ بالآخر یہ شخص تلوار لے کر آ گیا۔ ہم نے اس بات کو برداشت نہ کیا''۔ (۳۱)

اس حوالے سے امام صاحب کی سیاسی حکمت عملی یوں دکھائی دیتی ہے کہ آپ سرِ عام حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ اور لوگوں میں بددلی پھیلا کر مملکت کے استحکام کو طوائف الملوکی اور بدامنی، بے چینی کا شکار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن منظم طریقے سے در پردہ جو لوگ ظالم حکمرانوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ان کی اخلاقی اور مالی امداد بھی فرمایا کرتے تھے۔

میدان میں نکل کر حضرت زید کے شانہ بشانہ جدو جہد کرنے کے کچھ اسباب تھے۔ مثلاً امام صاحب سمجھتے تھے کہ حضرت زید کے ساتھی آپ کے ساتھ مخلص نہیں اور وہ دھوکہ دے جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور واقعی سچے دل سے آپ کے ساتھ کھڑے ہوں گے تو میں ضرور آپ کا شریک سفر ہوتا اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا۔ (۳۲)

امام صاحب کے علاوہ کچھ اور شخصیات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی حضرت زید کے ساتھیوں کے بارے میں شک میں تھے کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ مثلاً امام اعمش اس کے علاوہ حضرت امام کو کوفہ والوں کی روایتی غداری کا تجربہ بھی تھا۔

درحقیقت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نگاہِ دور رس دیکھ رہی تھی کہ حضرت زید کی کوشش بار آور نہ ہو سکے گی اور اس حالت میں آپ کی نگاہ اس ردِ عمل پر تھی جو حضرت زید کی تحریک کی ناکامی کے بعد سامنے آنا تھا۔ ظاہر ہے کہ حکومت نے اب اندھا دھند ظلم کرنا تھا اور امام صاحب اجتہاد کے لئے جو کوششیں کر رہے تھے، وہ دھری کی دھری رہ جاتیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب کی خدمات اور سیاسی کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ نے فقہ اور قانون کے شعبے میں اس وقت کے سیاسی، تمدنی دینی اور معاشی حالات کے تناظر میں عظیم الشان اجتہادات کیئے جو نہ صرف اس دور کے لئے بلکہ آئندہ آنے والے ادوار کے لئے قانون کا بہت اہم ذخیرہ ثابت ہوئے اور دنیا آج تک اس قانون سازی سے مستفید ہو رہی ہے۔

آپ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ امام صاحب سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ آپ کو علم فقہ کی توفیق کس طرح سے حاصل ہوئی؟ فرمایا کہ توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی ہے۔ لیکن میں نے مختلف علوم مثلاً علم الکلام، ادب ونحو، شعر وشاعری، قرأت وتجوید وغیرہ کی طرف متوجہ ہونے کے بارے میں سوچا لیکن کسی بھی علم کے بارے میں شرح صدر نہ ہوا، دل کو اطمینان نہ ہوا کہ ان علوم کے حاصل کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ بعد میں فقہ کی ورق گردانی شروع کی، جوں جوں مسائل کو بار بار پڑھنے کا موقع ملا، اس علم کی قدر و منزلت میرے دل میں بیٹھ گئی اور اس علم کے حاصل کرنے میں مجھے کوئی عیب بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس علم کے حصول کے دوران مجھے علماء ومشائخ کی علمی مجلسوں میں بیٹھنے کا موقع ملے گا میں نے اندازہ کر لیا کہ فرائض کی ادائیگی، اقامت دین، اظہار عبودیت اور دنیا وآخرت کی خوبیاں حاصل کرنے کا یہ بہترین راستہ ہے۔ اگر کوئی شخص فقہ کے ذریعے دنیا کمانا چاہے تو وہ بہت بلند مناصب پر فائز ہو سکتا ہے اور اگر تخلیہ اور تنہائی کا آرزومند ہو تو کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ حصول علم کے بغیر عبادت میں مصروف ہے بلکہ کہا جائے گا وہ صاحب علم فقیہ اور علم کی راہ پر گامزن ہے۔ (۴۳)

امام ابو حنیفہؒ نے جو اجتہادات کیئے وہ محض عبادات کے فقہی مسائل تک محدود نہ تھے بلکہ ان کا دائرہ انسان کے انفرادی، عائلی، قومی اور عام انسانی مسائل تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کے یہ اجتہادات محض فقہ کا ایک باب نہ تھے بلکہ ان اجتہادات کا ہر عنوان مستقل طور پر ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ آپ نے جن لاکھوں مسائل پر فتاویٰ جاری کیئے وہ بعد میں جدا جدا قانون کے نام وعنوان سے مشہور ہوئے مثلاً معاہدہ، قانونِ بیع، قانون لگان و مال گزاری، تعزیرات اور ضابطہ فوج داری وغیرہ۔ (۴۴) ان اجتہادات کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی اہمیت ہے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی:

''دنیا جب مسلمانوں کے صدہا سال کی ان محنتوں کی جانچ پڑتال اور چھان بین کرے گی تو ان محنتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وہ انسانی زندگی کی بے شمار مشکلات کا حل پائے گی۔ دنیا کو معلوم ہوگا کہ انہیں آج اس وقت جو مسائل پیش آ رہے ہیں مسلمانوں نے ان کا حل پہلے ہی پیش کر دیا ہوا ہے''۔ (۳۵)

''امام ابو حنیفہ نے جن پہلوؤں پر اجتہادات کئے ہیں وہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ۳۸ ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی ۴۵ ہزار دفعات کا تعلق براہِ راست انسانی زندگی کے دنیوی معاملات اور کاروبار سے متعلق آئین و دستور سے ہے''۔ (۳۶)

امام صاحب نے جو مسائل مستنبط کئے ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق بارہ لاکھ نوے ہزار اور ایک روایت کے مطابق چھ لاکھ ہے۔

علامہ شبلی نے امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادات کی اہمیت بیان کی ہے کہ دیگر آئمہ کرام میں کوئی نہ کوئی ایسا خارجی پہلو پایا جاتا تھا کہ جس کی بنا پر اسے قبولیت حاصل ہوئی۔ مثلاً مدینہ طیبہ کے ساتھ تعلق، عربی النسل ہونا۔ امام صاحب میں ایسا کوئی خارجی پہلو موجود نہ تھا جو ان کی فقہ کی قبولیت کا باعث بنتا۔ آپ عربی النسل ہونے کی بجائے فارسی الاصل ہیں۔ آپ جس مرکز یعنی کوفہ میں تھے وہ مسلمانوں کی جذباتی زندگی کے مراکز مکہ اور مدینہ سے کوسوں دور تھا۔ آپ کی مخالفت بھی شدید طور پر کی گئی۔ حسن قبول اور عام اثر کیلئے جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کی فقہ میں بالکل موجود نہ تھے۔ اس کے باوجود آپ کی فقہ نے تمام ممالک میں رواج پایا۔ یہ اس بات کی دلیل شمار کی جا سکتی ہے کہ آپ کا طریق اجتہاد انسانی ضرورتوں کے نہایت قریب، موزوں اور مناسب تھا۔ (۳۷)

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو باقی فقہائے کرام پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ دینی تقدس، ذاتی تقویٰ و زہد کے ساتھ ساتھ دنیوی مسائل و مصالح، تمدنی تقاضوں سے بھی کما حقہ آگاہ تھے۔ ان کی مجلس بہت بڑی عدالت عالیہ تھی۔ جس میں لاکھوں مقدمات زیر بحث آتے۔ اس مجلس کی حیثیت ایک قومی ادارے کی سی تھی۔ ارکان سلطنت ان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ ان کے شاگرد سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے۔ امام صاحب کی اپنی طبیعت اور مزاج بھی ایک مقنن کا سا تھا۔ (۳۸)

طریق اجتہاد

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سیاسی نظریات اور آپ کی سیاسی خدمات درحقیقت کتاب و سنت اور تعامل صحابہؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مبنی ہیں۔ اس وقت جب کہ سیاست میں اسلام گریز رجحانات پروان چڑھ رہے تھے، حکمرانوں کی زندگیاں قرآن وسنت سے بے نیاز ہوتی جا رہی تھیں، آپ کی جدو جہد سراسر کتاب وسنت اور تعامل صحابہؓ کا احیاء تھی۔

اپنے طریق استنباط کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ:

''جب مجھے کتاب اللہ مل جاتی ہے تو اسے لے لیتا ہوں۔ جو کتاب اللہ سے نہیں پاتا اس کے متعلق آپ کی احادیث وآثار لیتا ہوں جو ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ اگر یہاں سے بھی مجھے مسئلے کا حل نہ ملے تو آثار صحابہ کرامؓ کو لیتا ہوں۔ ان میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ ان کے علاوہ کسی اور کے قول کو نہیں لیتا۔ جب ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن المسیب اور ثقہ تابعین تک معاملہ پہنچتا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا ہے میں بھی اسی طرح سے اجتہاد کروں''۔(۳۹)

سہل بن مزاحم کہتے ہیں امام ابو حنیفہ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ثقہ لوگوں سے روایت لیتے ہیں برائی سے بھاگتے ہیں اور لوگوں کے معاملات اور ان کے مستقل تعامل کو لیتے ہیں جن پر عمل کرنے سے ان کے معاملات درست ہوتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں۔(۴۰)

علامہ مکی ''المناقب الامام ابو حنیفہؒ'' میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے مسلک کی بنیاد اپنے ساتھیوں کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر کبھی اپنی رائے ٹھونسی نہیں۔ اس سے آپ کا مقصد دین کے مسائل کے حل کے لئے جدو جہد کرنا اور اللہ اور رسول سے خلوص کے تعلق میں ہمیشہ کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک ایک مسئلہ پیش کر کے تلامذہ سے اس کا جواب سنتے پھر اپنا نقطہ نگاہ بیان فرماتے۔ اگر ضرورت ہوتی تو ان سے تبادلہ خیال بھی ہوتا''۔(۴۱)

امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادات میں اس قدر جامعیت، گہرائی اور گیرائی پائی جاتی تھی کہ مختلف اوقات میں جب اسلامی قانون سازی کا اہم کام عمل میں آیا تو اسی فقہ کو اختیار کیا گیا۔ مختلف ادوار میں فقہ حنفی باقی مذاہب کے مقابلے میں زیادہ نافذ ہوتی رہی ہے۔ جب اس کا نفاذ عمل میں آیا تو عملی اعتبار سے معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں پیش آنے والی پیچیدہ مسائل سامنے آئے اور پھر ان کے حل کے لئے اجتہاد کیا گیا۔ یوں فقہ حنفی میں جامعیت کا پہلو پیدا ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی افکار ونظریات ہی زیادہ تر فقہ حنفی کی بنیاد ہیں۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں:

''حنفی مذہب تمام ممالک اسلامیہ میں اس لئے سب سے زیادہ پھیلا کہ عباسی خلفاء نے محکمہ عدل وقضاء کے لئے اسی مذہب کو منتخب کیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کا بھی یہی مذہب تھا۔ اسی کی روشنی میں ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' مرتب کی گئی''۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو ممالک سلطنت عثمانیہ کے زیر اثر رہے جیسے مصر، شام، لبنان ان میں عدل وقضاء کا نظام فقہ حنفی کے مطابق ہی چلا۔ حکومت تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ (۴۲)

شاہ ولی اللہؒ امام صاحب کے افکار کی بنیادیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی اصل اور اساس حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے فتاویٰ اور حضرت علیؓ کے قضایا ہیں، اس کے علاوہ قاضی شریح اور کوفہ کے دیگر قاضیوں کے فتاویٰ اور فیصلے بھی ہیں۔ انہوں نے اسی سے حسبِ توفیق الٰہی مسائل فقہ جمع کئے تھے۔ آپ بالعموم ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر آئمہ کے فتاویٰ کو بالالتزام تھامے ہوتے ہیں ان سے وہ کبھی تجاوز نہیں کرتے تھے''۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر تم ہمارے بیان کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کا مطالعہ کرلو ان میں حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے اقوال کا بغور جائزہ لو پھر اسے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے ساتھ منطبق کرو تم امام صاحب کو ٹھیک ٹھیک اپنے اساتذہ کرام کی روش اور طریقہ کے مطابق پاؤ گے۔'' (۴۳)

ابوزہرہ نے امام صاحب کے طریق اجتہاد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اما ابوحنیفہؒ کے دلائل، طریق استنباط اور استدلال کی اصل شکل مختلف مقامات پر دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ فقہی قیاسات پر مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور کتاب وسنت کی نصوص کی تشریح وتوضیح کرتے وقت آپ کی عقل دقیقہ رس ان نصوص کے مقاصد اور بواعث، وعلل تک پہنچ جاتی ہے''۔ (۴۴)

اس سب کچھ کے باوجود آپ جب کسی بات پر فتویٰ دیتے تو فرماتے:

هذا رأی نعمان بن ثابت يعني نفسه وهوا حسن ما قدرنا عليه فمن جاء نامنه اولیٰ بالصواب. (۴۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب اور نظام عدل کی اصلاح

امام صاحب عہدہ قضاء کی اہمیت سے خوب آگاہ ہیں اور اس بات کی حوصلہ شکنی فرماتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ ہر کوئی اس کے لئے اپنے آپ کو اہل سمجھ بیٹھے۔ ان کے شاگرد نوح بن دراج یا نوح بن ابی مریم نے جب امام صاحب سے خاص خاص مسائل پوچھے تو امام صاحب نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا: نوح تم قضا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو۔ (۴۶)

جب نوح کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑا تو اپنے استاد (امام صاحب) کو اس سے مطلع فرمایا اس کے جواب میں آپ نے نوح کو جو خط لکھا وہ امام صاحب کے خطوط میں بڑی تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا: تمہارے سپرد بہت بڑی امانت کی گئی ہے۔ اتنی بڑی امانت جس کے اٹھانے سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں، تم اب ایسے آدمی ہو جو ڈوب رہے ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنی نجات کی راہ تلاش کرو۔ (۴۷)

ایک اور موقع پر فرمایا جو شخص قاضی بنایا گیا اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بس سمندر میں اب ڈوبا۔ اگر وہ تیرنا جانتا بھی ہو تو سمندر میں وہ کب تک تیرتا رہے گا اور ہاتھ پاؤں کب تک مار سکتا ہے۔ (۴۸)

امام صاحب نے منصور سے فرمایا: کہ اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کروں اور آپ مجھے دھمکی دیں کہ ایسا نہ کیا تو میں تمہیں دریا میں غرق کردوں گا۔ یاد رکھیئے کہ میں دریا میں ڈوب جانا پسند کروں گا لیکن انصاف کے خلاف فیصلہ نہ کروں گا۔ (۴۹)

آپ نے فرمایا: قاضی اس شخص کو ہونا چاہئے جو آپ کے (منصور) خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ آپ کے خلاف، آپ کے بال بچوں کے خلاف، آپ کے سپاہ سالاروں اور فوجی افسروں کے خلاف۔ (۵۰)

امام صاحب عدلیہ کی انتظامیہ پر برتری کے بارے میں فرماتے ہیں:

''قاضی کو کسی سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو''۔ (۵۱)

امام صاحب نے قاضی ابو یوسف کو وصیت نامہ لکھا۔ اس میں یہ نصیحت بھی ہے کہ:

''اگر امام (مسلمان ریاست کا سربراہ اور امیر) سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جائے جس کا تعلق مخلوقِ خدا سے ہو اس جرم کی سزا اس قاضی کو دینی چاہئے جو اس زمانے میں بادشاہ سے قریب تر ہو''۔ (۵۲)

امام صاحب اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ملک کے اندر عدلیہ کا وقار بحال رہنا چاہئے۔ اگر عدلیہ کا ادارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے وقعت ہو جائے اور اس پر انتظامیہ کا غلبہ ہو جائے تو نظامِ سیاست بگڑ جاتا ہے۔ آپ نے اس وقت کے حکمرانوں کی بہت سی خرابیوں کو شاید برداشت کر لیا ہو لیکن آپ کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ انتظامیہ کو عدلیہ پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ کے بہت سے افکار سے آپ کے اس نقطہ نگاہ کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے حکومت کو عدلیہ کے امور میں مداخلت سے باز رکھنے کی تلقین فرمائی۔

آپ کے افکار میں عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ ایک دفعہ قاضی کی تعیناتی کے بعد اس کے فرائض کی بجا آوری میں حکمرانوں یا کسی سرکاری افسر کی مداخلت کو آپ برداشت نہیں فرماتے۔

ہر نظام کے کچھ نہ کچھ مقاصد (Objectives) ہوتے ہیں۔ نظام کی تفصیلات اس کے مقاصد کے حصول کے لئے طے کی جاتی ہیں۔ پھر ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک انتظامی مشینری تیار کی جاتی ہے۔ اگر کسی بہترین سے بہترین نظام کے مقاصد سے ناآشنا انتظامی مشینری کو اس کے نفاذ و اطلاق کی ذمہ داری سونپ دی جائے تو وہ بہترین نظام اپنے مقاصد کو کسی بھی صورت حاصل نہیں کر پائے گا۔ نظام کی کامیابی کے لئے ہمیشہ اس نظام کے مقاصد کو سمجھنے والی انتظامی مشینری بھی تیار کی جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے عہد کے ظالمانہ سیاسی نظام کی پر حکمت انداز سے مزاحمت اور حکمرانوں پر معقول انداز سے تنقید کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ایک ایسی مشینری کی تیاری کا سلسلہ جاری رکھا جو اپنے کردار، فکر و عمل اور دین فہمی میں اپنے عہد کی ہمہ صفت ٹیم تھی۔ آج کے دور میں نفاذِ اسلام کے لئے کی جانے والی کوششوں کے زیادہ بار آور ثابت نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس نظام سے فکری مطابقت رکھنے والی مشینری کا فقدان ہے۔ امام صاحب اس سیاسی ضرورت سے بخوبی آگاہ تھے۔ امام صاحب اپنی اس ٹیم کی تربیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس قدر علم عطا فرمایا ہے اس کا احترام کرنے کی کوشش کرنا۔۔۔۔ میں تمہیں اللہ کا حوالہ دے کر کہتا ہوں کہ کسی امیر کی رضامندی کی ذلت سے اپنے اس علم کو محفوظ رکھنا'' (۵۳)

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

''آپ کی درس گاہ درحقیقت اس وقت ایک سیاسی قانونی درسگاہ بھی تھی۔ یہ ایک تربیت گاہ تھی۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ بڑی تعداد میں سیاسی اور ملکی عہدوں پر متمکن ہوا کرتے تھے''۔ (۵۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے ممکنہ جدو جہد فکر و تامل اور تحقیق و تدقیق کے تمام ذرائع خرچ کر کے اسلامی آئین کے تمام شعبوں کو مدون کیا اور ان لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھ کر ایسے لوگ تیار کر لئے جن کے بارے میں وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر ان کے ہاتھوں میں نفاذِ اسلام کا اختیار دے دیا جائے تو وہ کسی بھی چیز سے بے نیاز ہو کر حوادث و واقعات پر اس آئین کو منطبق کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اپنی تیار کردہ اس کھیپ کو ہدایات جاری کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''تمہیں حکومت کی ملازمت اس وقت تک قبول نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ تمہیں یقین نہ ہو جائے کہ اگر تم یہ ملازمت قبول نہیں کرتے تو اس عہدہ پر اس قسم کے لوگ قبضہ کرلیں گے جن سے اللہ کی مخلوق کو نقصان اور تکلیف پہنچے گی''۔(۵۵)

اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں: ''تمہارا علم لوگوں کو تمہارا محتاج بنا کر چھوڑے گا''(۵۶)

گویا آپ ایک طرف اپنے شاگردوں میں قضاء افتاء کی حوصلہ شکنی بھی کرتے رہتے کیونکہ ہر کوئی اس کا اہل نہیں ہوتا اور کوئی غیر اہل اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھ بیٹھے تو اس سے غلط فیصلے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص حکومت کا آلہ کار بھی بن جائے اور دوسری جانب آپ انہی شاگردوں کو اس کام کے لئے تیار بھی کرتے تھے کہ تم اپنے اندر ایسا کمال پیدا کرو کہ لوگوں کو خواہ مخواہ تمہارا محتاج ہونا پڑے۔

آپ نے کس طرح کی کھیپ تیار کی تھی اس بارے میں خود امام صاحب کا اپنا بیان ہے کہ:

''میرے اصحاب میں تیس آدمی خاص اہمیت رکھتے ہیں ان میں دس تو نیک آدمی ہیں اور فقیہ ہیں۔ دس ہی ایسے ہیں جو فتویٰ دینے کے قابل ہو چکے ہیں اور دس ایسے ہیں جو قاضی بننے کے قابل ہو چکے ہیں''۔(۵۷)

امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد سے بھی اس طرح کی روایت ہے لیکن انہوں نے امام صاحب کے ۳۶ شاگردوں کا ذکر ہے۔فرماتے ہیں۔

''ان چھتیس میں سے اٹھائیس تو قاضی بننے کے قابل ہو چکے ہیں چھ فتویٰ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان میں سے دو یعنی امام ابو یوسف اور امام زفر صرف قاضی اور مفتی بننے ہی کے نہیں بلکہ ان میں دوسروں کو قضاء وافتاء سکھانے کی بھی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔''(۵۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ امام صاحب جو کام کر رہے تھے اس میں کمال حاصل کرنے والوں کے لئے حکومت کے سب سے بڑے اور سب سے اہم شعبہ میں داخل ہونے کا قدرتی موقع پیدا ہو جاتا تھا۔ حکومت کے بنیادی فرائض یہی ہوتے ہیں کہ قانون بنائے، ان کا نفاذ کرے، امن و امان قائم کرے۔ امام صاحب انہیں شعبوں میں اپنے شاگردوں میں صلاحیت پیدا کر رہے تھے۔ (۵۹)

ان کی کوششیں حکومت کے مختلف شعبوں میں اپنے شاگردوں کو دخیل بنانے کا مستحق بنا رہی تھیں۔

عدلیہ کی اصلاح کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کی جدوجہد کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ اس وقت کے قاضیوں کے فیصلوں پر کھل کر تنقید کیا کرتے تھے۔ یہ تنقید بڑی مدلل، مثبت اور تعمیری ہوا کرتی تھی۔ کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کے فیصلے اکثر اوقات زیرِ تنقید آیا کرتے۔

آپ سمجھتے تھے کہ ان فیصلوں کے بارے میں اگر وہ خاموشی اختیار کرتے ہیں تو اس سے نظامِ عدل کی خرابیاں دور نہیں ہو پائیں گی۔

قاضیوں کے فیصلوں پر تنقید کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ قضاء اور جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے آپ اس قسم کا نظام دیکھنا چاہتے تھے جو عدلیہ کے شایان شان ہو۔ آپ کے خیال کے مطابق حکمران نہ صرف یہ کہ عدلیہ کی اصلاح سے بے نیاز تھے بلکہ عدل کے قیام میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی آپ چاہتے تھے کہ دین دنیا کے آگے، علم جہالت کے سامنے اور انصاف بے انصافی کے سامنے جھکنے نہ پائے۔ (۶۰)

امام ابو حنیفہؒ کی خدمات کا مقام مرتبہ

دورِ عباسی میں جب اسلامی مملکت کی حدود بہت وسیع ہو گئیں۔ مختلف علاقوں اور نسلوں کے لوگ اسلامی مملکت میں داخل ہو گئے، تمدنی مسائل سامنے آئے۔ ان مسائل کے حل کے لئے اجتہادات شروع ہوئے ان اجتہادات میں اختلافات کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں نے خلفائے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے ڈھیر لگا دیئے۔ شافعی حضرات کے ساتھ ان کے مناظرے ہوتے۔ ان اختلافات کے نتیجے میں اجتہادات قلمبند کئے گئے۔ وہ ان بحثوں کی بدولت علم میں منجھ گئے۔ ان میں باریک بینی پیدا ہوئی اور ان کی فضیلت و برتری کھل کر سامنے آئی۔ (۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستشرق جوزف شاخت (Joseph Schacht) نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ وہ امام شافعی اور دیگر فقہا پر امام ابوحنیفہؒ کے طریق اجتہاد کو برتری دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ابن ابی لیلیٰ کے طریقِ استنباط اور دلائل کا مقابلہ امام صاحب کے طریقِ اجتہاد سے کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''وہ مثالیں جن سے میں نے قانونی استدلال کے نشو و ارتقاء کو واضح کیا اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا فنی اور قانونی نقطہ نگاہ ابنِ ابی لیلیٰ کے نقطہ نگاہ اور استدلال پر فوقیت رکھتا ہے۔'' (۶۲)

اس مستشرق کے اپنے الفاظ میں

The examples with which i illustrated the development of legal reasoning show the superiority of Abu Hanifa's technical legal thought over that of Abu Laila.

یہی مستشرق امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کی نسبت امام ابوحنیفہ کے قانونی نقطہ نگاہ کو زیادہ وسیع النظری پر مبنی اور کامل اور مکمل قرار دیتا ہے۔ بلکہ فنی محاسن کے اعتبار سے انتہائی ارتقائی، زیادہ محتاط اور زیادہ دقیقہ رس ہے۔ اس کے الفاظ میں:

...Those numerous cases which show Abu Hanifa's legal thought not only more broadly based and more thoroughly applied that that of Auzai and Ibn Abu Laila, but technically more highly developed, more circumspect and more refined. (۶۳)

اسی طرح یہ امام صاحب کے طریقِ استنباط کو امام شافعی کے طریق پر بھی فوقیت دیتا ہے۔

"Abu Hanifa shows a high degree of technicla reasoning is sharp righted and systematic, and anticipates shafii's doctrine". (۶۴)

امام ابوحنیفہؒ کا سیاسی کردار اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ یحییٰ ابن آدم لکھتے ہیں:

''کوفہ فقہ سے معمور تھا اور رفقہا اس شہر میں کثرت سے رہتے تھے مثلاً ابنِ شبرمہ ابنِ ابی لیلیٰ حسن بن صباغ شریک اور ان ہی جیسے دیگر لوگ۔ لیکن ابوحنیفہؒ کے اقوال کے سامنے سب کا بازار سرد پڑ گیا''۔ (۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حماد بن سلمہ کا بیان ہے:

"گو ابن ابی لیلیٰ اور شبرمہ، شریک سفیان وغیرہ سے اختلاف کرتے ہیں لیکن بالآخر امام ابوحنیفہؒ ہی کی بات نے استواری حاصل کی اور امراء امام حنیفہؒ کے محتاج ہو گئے۔ خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا۔(٦٦)

امام ابوحنیفہؒ کے اس مقام و مرتبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن یہ بات کہ امراء سے دور بھی رہنا اور ان ہی امراء کو اپنا محتاج بنانے کی کوششوں کو بھی جاری رکھنا خود اپنی مجلس کو خلفاء اور سلاطین کے ذکر سے پاک بھی رکھنا لیکن ان مجلسوں تک زبردستی اپنے ذکر کو بزور پہنچانا، صرف ذکر ہی نہیں بلکہ امام نے اپنی تدبیروں سے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ بقول یحییٰ ابن آدم:

خلفاء اور آئمہ یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ اور حکام امام ابوحنیفہ کے مدون کردہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا۔(٦٧)

ذمیوں کے حقوق اور امام اعظمؒ

ایک جدید ریاست کا اہم سیاسی مسئلہ اسلامی مملکت میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا مسئلہ ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں امام صاحب کا نقطہ نگاہ بڑا فیاضانہ ہے۔ اگرچہ کتاب و سنت میں ان لوگوں کے حقوق و فرائض بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن ان احکام کی حیثیت عام کلیات کی ہے۔ اسلام دنیا کے ایک وسیع و عریض علاقے پر حکمرانی کرتا رہا ہے ان علاقوں میں مختلف نسلوں اور مختلف ذہنی و فکری پس منظر رکھنے والے لوگ موجود رہے ہیں، اگر ان لوگوں کے حقوق کا مؤثر اور مناسب بلکہ مستقل بنیادوں پر بندوبست نہ کیا جائے تو امن و امان کا مسئلہ گھمبیر اور پیچیدہ شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مملکت غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔ ملک میں آباد مختلف مذاہب کے لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں تو مختلف متحارب گروہوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

امام صاحب نے کتاب و سنت کے اصول و احکام کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے ذمیوں کے حقوق کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کی ایک مثال قتل و قصاص کی ہے۔ آپ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر کوئی مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور اگر ذمی غلطی سے قتل ہو جائے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے "من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا (ذمیوں کا خون ہمارا خون ہے اور ان کی دیت ہماری دیت ہے)

شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ تمام مہاجرین و انصار کا یہی موقف تھا۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے عبیداللہ نے جب دو غیر مسلموں کو اس شبہ میں قتل کر ڈالا کہ وہ حضرت عمرؓ کے قاتل ہیں تو حضرت عثمانؓ نے جب وہ خلیفہ بنے تو انصار و مہاجرین کو اکٹھا کیا تو ان سب کی رائے یہی تھی کہ عبیداللہ کو قتل کیا جائے۔(۶۸)

امام ابوحنیفہؒ نے ذمیوں کے لئے جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی طرح تجارت کرنے کی اجازت ہے۔ ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا جس شرح سے مسلمان ٹیکس دیں۔ جزیہ کی شرح ان کی حیثیت کی مناسبت سے طے کی جائے گی۔ اگر وہ مفلس ہوں تو ان سے جزیہ معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔ ذمیوں کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق طے ہوں گے۔ ذمیوں کی شہادت ان کے باہمی معاملات میں قبول کی جائے گی۔ اگر وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہوئے حربی کافروں کے مقابلے میں لڑنا چاہیں تو ان پر اعتماد کیا جائے گا۔ انہیں عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہوگی۔

مراجع و مصادر

۱۔ عبدالقادر قرشی، الجواہر المضیہ، جلد اول، صفحہ ۲۷

۲۔ ابوزہرہ، حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ، (اردو ترجمہ)، ۱۹۸۳، صفحہ ۴۹

۳۔ مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ۱۹۴۹، صفحہ ۱۳

۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۵

۵۔ شبلی نعمانی، سیرت النعمان امام اعظمؒ، مکتبہ صدیقیہ، صفحہ ۱۳۲

۶۔ مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۵

۷۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد سوم، صفحہ ۳۳۳

۸۔ معجم المصنفین، مطبوعہ بیروت، جلد دوم، ص۔ ۱۱۶

۹۔ گیلانی، ص۔ ۵۳

۱۰۔ ایضاً، ص۔ ۱۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ ایضاً، ص۔۱۴۱

۱۲۔ مناظر احسن گیلانی، ص

۱۳۔ ترمذی، سنن الترمذی، المجلد الثالث، صفحہ ۳۱۸، ابواب الفتن، باب افضل الجہاد کلمۃ عدل

۱۴۔ ابن الاثیر الجزری، التاریخ الکامل، الجزالخامس، ص۔۲۱۷

۱۵۔ الموفق المکی، مناقب الامام ابی حنیفہؒ، حیدر آباد، جلد اول، ص۳۳

۱۶۔ ایضا، جلد دوم، ص۔۲۱۵

۱۷۔ ایضاً، ص۔۲۱۳

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً، ص۱۷۵تا۱۷۹

۲۰۔ ایضا، ص۔۱۷۹

۲۱۔ ایضا، ص۔۱۸۱

۲۲۔ ایضاً، ص۔۱۸۳

۲۳۔ ایضاً، ص۔۱۸۳

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ المائدہ:۱۰۵

۲۶۔ الموفق المکی، مناقب الامام ابی حنیفہؒ، حیدر آباد، جلد اول، ص۳۳

۲۷۔ الموفق، جلد دوم، ص،۸۳

۲۸۔ مناظر احسن گیلانی، ص۔۱۰۸

۲۹۔ الموفق، جلد دوم، ص۔۸۳

۳۰۔ ایضاً، ص۔۸۳

۳۱۔ الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن، جلد اول، ص،۸

۳۲۔ مناظر احسن گیلانی، ص،۱۱۱تا۱۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ ابوزہرہ،ص۔۵۰۔۵۱

۳۴۔ شبلی نعمانی،ص۲۸۳

۳۵۔ مناظر احسن گیلانی،ص ۱۶۸

۳۶۔ ایضاً،ص،۱۶۸

۳۷۔ شبلی نعمانی،ص،۲۶۶

۳۸۔ صبحی محمصانی،فلسفہ التشریع فی الاسلام،ص۔۳۸

۳۹۔ عبدالسلام ندوی،تاریخ فقہ اسلامی،ص۔۳۲۲

۴۰۔ صبحی محمصانی،ص،۳۸

۴۱۔ الموفق المکی،ص۔۳۱۱

۴۲۔ صبحی محمصانی،ص۔۴۸

۴۳۔ شاہ ولی اللہ،حجۃ اللہ البالغہ،حصہ دوم،(ترجمہ مولانا محمد اسماعیل)ص۔۴۱۷

۴۴۔ ابوزہرہ،ص۔۳۳۱،۳۳۲

۴۵۔ الموفق المکی،ص۔۹۰

۴۶۔ ایضاً،جلد دوم،ص۔۱۱۰

۴۷۔ ایضاً،جلد دوم ص۔۱۱۰

۴۸۔ ایضاً،جلد دوم،ص۔۹۰

۴۹۔ ایضاً،جلد دوم،ص،۱۷۰

۵۰۔ الموفق،جلد اول،ص۔۲۱۵

۵۱۔ ایضاً،جلد دوم،ص۔۱۱۵

۵۲۔ ایضاً،جلد دوم،ص،۱۰۰

۵۳۔ ایضاً،جلد دوم،ص۔۱۰۰

۵۴۔ شبلی نعمانی،ص۔۲۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۵۔ الجصاص، جلد اول، ص۔ ۱۱۶

۵۶۔ الموفق، جلد دوم، ص۔ ۹۵

۵۷۔ ایضاً، جلد دوم، ص، ۸۹

۵۸۔ ایضاً جلد دوم، ص، ۱۴۶

۵۹۔ مناظر احسن گیلانی، ص، ۱۹۳

۶۰۔ ایضاً، ص، ۱۹۳

۶۱۔ ابن خلدون، مقدمہ، [اردو ترجمہ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ]، ص، ۴۶۹

62. Schacht, Josecph, The origins of Muhammadan Jurisprudence, 1950, P.47

63. IBID,P.294

64. IBID, P.297

۶۵۔ الموفق، جلد دوم، ص۔ ۴۱

۶۶۔ ایضاً، جلد دوم، ص۔ ۷۱

۶۷۔ بحوالہ مناظر احسن گیلانی، ص۔ ۲۱۳

۶۸۔ بحوالہ شبلی نعمانی، صفحہ۔ ۳۲۱ تا ۳۳۰ ملخص

****

© rasailojaraid.com